اردن: کیا اسلام پسند جمہوری ہوسکتے ہیں؟

گلین ای رابنسن*

اسلامی تحریکوں کے متعلق عمومی خیال یہ ہے کہ شرق اوسط میں جمہوری تبدیلیوں کی راہ میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ذیل کا نقطہ نظر اردن کی مثال سامنے رکھ کر ثابت کرتا ہے کہ وہاں کی تحریک جمہوریت کے لیے قوت و جذبہ کا باعث بنی ہے۔ منظم ترین قوت ہونے کی بنا پر اردن میں اخوان المسلمین کی دلچسپی بھی اسی میں تھی کہ سیاسی بندھن ڈھیلے پڑیں تاکہ اسے اپنے مقاصد کے حصول میں آسانی ہو۔ یاد رہے کہ اخوان کا سیاسی پلیٹ فارم اسلامک ایکشن فرنٹ (IAF) ہے' جسے سامنے رکھ کر تحریک نے جمہوری آزادیوں کی کشمکش میں ہراول کا کردار ادا کیا۔ بات یہ نہ تھی کہ اخوان یا ان کی ایکشن فرنٹ والے معروف معنوں میں "کٹر جمہوری" تھے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جمہوری آزادی جتنی بڑھتی ہے' تحریک کو اپنی تنظیم کے اثرات عامتہ الناس میں پھیلانے کا موقع اتنا ہی زیادہ ملتا ہے۔ مفاد کا یہی عامل یہ بات سامنے لاتا ہے کہ نظریاتی طور پر "غیرجمہوری" قوتیں بھی تزویراتی ضرورتوں کے تحت جمہوریت کو گلے لگانے پر مجبور ہوجاتی ہیں اور مواقع کا انکار نہ ہو تو خود یہ قوتیں بھی اپنے رویے میں مناسب لچک پیدا کرلیتی ہیں۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں اردن میں کئی بحران آئے جو بالآخر "روٹی کے بلووں" میں تبدیل ہوگئے معن سے شروع ہونے والے بلوے ۱۹۸۹ء کے موسم بہار تک ہر جگہ پھیل گئے تھے پھر انہی کے نتیجے میں اردن میں سیاسی آزادیوں کا عمل شروع ہوگیا۔ نتیجتاً" جو جمہوری پروگرام سامنے آیا وہ اپنی اصل میں دفاعی تھا کہ بلووں کا زور کم ہو جائے۔ اسی لیے یہ کامل جمہوری نہ تھا کہ اوپر سے نافذ شدہ تھا اور لازماً" پابند بھی تھا۔ ایسی صورت حال میں علاقے کے دوسرے ملکوں کا رویہ یہ تھا کہ اپنے ہاں کی تحاریک اسلامی کو جمہوری عمل سے باہر رکھا جائے لیکن اردن نے ایسا نہیں کیا۔ یوں یہ نظریہ بلاواسطہ چیلنج ہوگیا کہ اسلامی تحریک جمہوری عمل میں کوئی موثر کردار ادا نہیں

---

*Glenn E. Robinson, "Conslamist be Democrates? The Case of Jordon", The Middle East Journal, 51:3 (Summer 1997), PP. 373 _388

(تلخیص محب الحق صاحبزادہ)

کر سکتی۔

۱۹۸۹ء کے اردنی پارلیمانی انتخابات غیر جماعتی تھے کیونکہ پارٹیاں غیر قانونی تھیں۔ لیکن افراد کے نظریاتی تعلقات کسی سے پوشیدہ نہ تھے بلکہ امیدوار ان کا کھل کر اظہار کرتے رہے۔ انتخابی مہم صرف ۲۵ دن چلی جس کا زیادہ فائدہ اخوان کو ہوا کہ وہی پہلے سے باقاعدہ منظم گروہ تھا۔ ۸۰ کے ایوان میں ۳۲ اخوانی یا ان کے ہم نوا آگئے۔ اقلیتوں کی خصوصی نشستیں نکال کر دیکھیں تو اسلامیوں کی نشستیں ایوان کی قریبا" آدھی یعنی ۶۸ میں ۳۲ بنتی تھیں۔ ان ۳۲ اسلام پرستوں میں سے ۲۰ واضح اخوانی تھے۔

یہ صحیح ہے کہ ۱۹۸۹ء کی پارلیمنٹ کا پہلا اجلاس ہوا تو تمام پالیسی معاملات میں اسلام پرست مات کھا گئے کہ تعداد میں آدھے سے کم تھے۔ لیکن ۱۹۹۰ء میں خلیج کا جھگڑا اٹھا تو پارلیمان میں اسلامی بلاک اپنے اثرات دکھانے لگا۔ گروپ نے امریکہ سے تعلیم یافتہ عبداللطیف عربیہ کو اپنا سپیکر منتخب کرادیا۔ نیز اپنے چار ممبر کابینہ میں داخل کرادیئے۔ وزارت تعلیم اخوانیوں کے پاس تھی۔ انہوں نے طلبا کی مخصوص ڈھنگ پر ترتیب شروع کی اور مخلوط تعلیم کا سلسلہ ختم کرنے کی بات کی تو شاہ حسین نے کابینہ کو ہی چلتا کردیا۔ یوں اسلامی پارلیمنٹیرین اور شاہ یا ان کے نامزد کردہ وزیراعظم ایک کے بعد دوسرے مسئلے پر الجھتے رہے۔ اسلامیوں کو مخلوط تعلیم، شراب کی بندش اور اسرائیل سے امن مذاکرات کے سوالوں پر شکست ہوتی رہی لیکن انہوں نے جمہوری اصولوں پر مبنی طرز حکمرانی کا ساتھ دینے سے منہ نہ موڑا۔

۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۳ء کے درمیان پارلیمنٹ نے پانچ اہم پالیسی امور طے کئے ----- یعنی سیاسی پارٹیوں کی آزادی، آئی ایم ایف کے ساتھ اقتصادی معاہدہ، پریس اینڈ پبلیکیشن قانون، مارشل لاء کا اٹھایا جانا اور "قومی چارٹر" کی منظوری کا سب سے اہم فیصلہ ---- اسلامیوں نے ان سب کی حمایت کی۔ قومی چارٹر (میثاق الوطنی الاردنی) دراصل جمہوری عمل کا نقشہ کار تھا جس پر اخوان کے چیدہ اصحاب اسحاق الفراہان، یوسف العظم، عبداللہ الاکیلی، عبداللطیف عربیہ، ماجد خلیفہ، احمد قطیش اور اخوان سے باہر کے اسلام پسندوں نے دستخط کئے۔ چارٹر کے حوالے سے حیرت انگیز لچک یہ تھی کہ اصولا" یہ تسلیم کیا گیا کہ سیاسی جواز کے لیے اسلام چار تہذیبی حوالوں میں سے ایک ہے۔ باقی تین میں اردنی قومیت، عرب قومیت اور آفاقی طور طریقے شامل ہیں، جن میں سے ہر ایک کا وزن اسلام کے برابر تسلیم کیا گیا۔ یہ بات ظاہرا" اسلامیوں کے نظریہ حاکمیت سے متضاد ہے۔ پھر بھی اس کا تسلیم کیا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلام پرست نہ بے لچک ہیں نہ

تھڑدلے بلکہ وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنے والے ہیں جو جمہوریت کا خاصہ ہے۔

اسلامیوں کا موثر جمہوری کردار اپنی جگہ' یہ عملاً" سرکاری پالیسیوں کے بلند آہنگ نقاد رہے ہیں۔ عرب اسرائیل امن مذاکرات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک وجہ رہی کہ شاہ حسین نے نومبر ۱۹۹۳ء کے انتخابات کے نتیجے میں ایک نسبتاً" زیادہ ہمقدم پارلیمنٹ تشکیل دینے کی کوشش کی جس کے لیے مخالفت کے علی الرغم نئے انتخابی قوانین کا سہارا لیا گیا ہے۔ حکومتی حلقے تسلیم کرتے ہیں کہ اصل مقصد اخوان کا اثر کم کرنا تھا۔ نیا قانون دراصل ووٹر کو مجبور کرتا تھا کہ قبیلے اور پارٹی میں سے ایک کا چناؤ کرے۔ چنانچہ ۱۹۹۳ء کے انتخابات ایک اور رنگ کی پارلیمنٹ سامنے لے آئے۔ ظاہر ہے قبائلی عصبیت کی جیت کا امکان زیادہ تھا۔ سو یہی ہوا کہ اسلامیوں کی نشستیں ۳۲ سے کم ہو کر ۲۲ رہ گئیں جن میں سے ۱۶ اخوان کے سیاسی بازو یعنی اسلامک ایکشن فرنٹ کی تھیں۔ ۸۰ میں سے ۴۶ ممبر وہ تھے جن کی وجہ سے پارلیمان کو "قبائلی پارلیمنٹ" کا نام ملا جو اپنی ساخت کی وجہ سے لازماً" ہاشمی بادشاہت کی مدد گار تھی۔

ممبران کی تعداد کم ہونے کے باوجود اردن میں "اسلامیت" کے اثرات کم نہیں ہوئے۔ الیکشن سے صرف یہ بات سامنے آئی کہ من پسند فیصلے حاصل کرنے کے انتظامات بھی کئے جاسکتے ہیں۔ الیکشن قوانین اور نتائج کی تلخی کی وجہ سے اسلام پسند حکومتی پالیسیوں اور فیصلوں کے سخت ترنقاد ضرور بنے' انہوں نے اردن اسرائیل امن معاہدہ کی مخالفت کی اور اردنی پارلیمنٹ سے صدر کلنٹن کے خطاب کا بائیکاٹ کیا' لیکن یہ سب کچھ کرتے ہوئے انہوں نے جمہوری طرز اختلاف کی خلاف ورزی نہیں کی۔

جمہوری عمل کے دوران اخوان کا جو عوامی چہرہ سامنے آیا وہ بالعموم جمہوری قدروں سے ہم آہنگ رہا ہے۔ پارٹی کا شائع شدہ منشور سماجی حوالے سے معتدل' اردن کی حاکمیت اور ہاشمیوں کی بادشاہی کا معاون' قوانین شرعی کا موید اور کرپشن اور اسراف کا سخت مخالف تھا۔ ۱۹۸۹ء کے تفصیلی پروگرام میں ذاتی ملکیت' سرکاری قرضہ جات اور افراط زر میں کمی' سرکاری اخراجات میں اقتصاد اور سرمایہ کاری کے لیے پر اعتماد فضا پیدا کرنے پر زور تھا۔ تقسیم زر میں تفاوتوں کے خاتمے' روزگار کی فراہمی' ٹیکس ریفارم اور نوزائیدہ صنعتوں کے تحفظ کا ذکر تھا۔ سود کا خاتمہ اور خود انحصاری کا پروگرام تھا۔ بدعنوانی کی ہر شکل ختم کرنا' شراب' جوئے' منشیات اور ناچ گھروں کی بندش کی بات تھی اور شرعی حدود کے اندر خواتین کو سارے مباح امور کی اجازت تھی۔ سیاسی حوالے سے اخوان کا پروگرام اظہار رائے اور فکر نیز نقل مکانی اور عبادت کی آزادی پر

زور دیتا ہے۔ ہر طرح کے تشدد اور بے گناہی قید و بند کو غیر اسلامی اور ناروا ٹھہراتا اور ۱۹۸۹ کے مارشل لاء کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ حقوق اور آزادیاں کسی ہنگامی قانون، مارشل لا یا غیر معمولی قوانین کے تحت سلب نہیں کی جاسکتیں۔

شرق اوسط کے بعض اسلام پسند صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ان کی نظر میں جمہوریت محض ایک حربہ ہے۔ ایک بار اقتدار ہاتھ آجائے تو اسلامی تھیو کریسی کے حق میں اس کا جھٹکا کردیا جائے گا۔ لیکن اردن کے اسلامی احباب جمہوریت اور اسلام کے تعلق کے اظہار میں بہت محتاط ہیں۔ زیاد ابو غنیمہ کہتا ہے کہ "جمہوریت ہمارے لئے جہاد کا ایک انداز ہے۔ یہ حربہ (Tactic) نہیں سٹرٹیجی یا راہ عمل ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت اسلام کا حصہ ہے۔ ہمارا راستہ خدا کی حکومت قائم کرنے والوں سے مختلف ہے" اسحٰق فرحان کے خیالات بھی ایسے ہی ہیں۔ وہ من جملہ جمہوریت اور ارتقائی عمل سے اسلام کی طرف پیش رفت کی بات کرتا ہے۔ البتہ فرحان کو شکایت ہے کہ حکومت اس نرم رویے کا مناسب جواب نہیں دے رہی جس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معتدل مزاج پس پردہ چلے جائے اور متشدد لوگوں کے ہاتھ میں باگ آجائے۔ فرحان کہتا ہے کہ ان کا پروگرام دیو مالائی نہیں، اسلامی طرز و اخلاق اور سیاست کی طرف تدریجی پیش رفت کا قابل عمل نقشہ ہے۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ فرحان ہو یا ابو غنیمہ مغرب کو بالعموم اور امریکہ کو بالخصوص شک اور تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امریکہ نے کل اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا ہے جسے الجزائر سے عراق تک ہر جگہ دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامی تحریک اپنی اصل میں نہ مغرب مخالف ہے نہ اینٹی ماڈرن۔ اس کا رد عمل نتیجہ ہے مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ان کے ملکوں میں جابرانہ حکومتوں سے مغرب کے تعاون کا۔ مغرب یہ رویہ درست کردے تو جھگڑے کی بڑی وجہ ختم ہوجائے گی۔

بعض قرائن "یقیناً" ایسے ملتے ہیں کہ لوگ اسلامی تحریکوں پر فوراً" غیر جمہوری ہونے کا الزام دھر سکتے ہیں۔ لیکن اردنی تجربہ یہ بتارہا ہے کہ اگر تحریک ایسی ہو جو حکمران طبقہ سے مناسب تعلقات اور چلتے نظام کو گوارا کرتے ہوئے "نرم خو" ہو تو قطع نظر اس کے کہ وہ ایک مخصوص تہذیب اور ثقافت کی بازیافت اور غلبے کی کوشش کررہی ہو، اسے جمہوری عمل میں اپنا کردار ادا کرنے دیا جائے۔ اس سے جمہوری ادغام و انجذاب اور نرم روی کے رجحانات تقویت پائیں گے۔ اس ضمن میں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلامی ذہن کے جمہوری لوگ افراط و تفریط کو مسترد کرکے معاشرے کو مناسب اعتدال پر لا سکتے ہیں۔ اخوان نے ایک طرف ناصر کی بائیں بازو کی

پان عربیت مسترد کردی تو دوسری طرف وہ دائیں بازو کے متشدد انقلابیوں سے بھی دور رہے۔ ہاشمی بادشاہت سے اخوانیوں کے بہتر تعلق کی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ جہاں پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں شاہ حسین کو عرب قوم پرستوں کی یلغار کا سامنا تھا تو ماضی قریب میں وہ "جیش محمد" اور "حزب التحریر" کے گھیرے میں تھا اور اسے خیریت اسی میں نظر آئی تھی کہ اخوان کے معتدل گروہ سے رابطہ بڑھائے۔

ہاشمیوں سے اخوانیوں کے اختلافات میں ایک عنصر یقیناً یہ بھی رہا ہے کہ جمہوری آزادی کے راستے سے اسلامی تحریک کو بادشاہت میں نقب لگانے اور مراکز اقتدار پر حملے کا موقع ملا جو انہوں نے استعمال بھی کیا۔ لیکن قابل غور یہ امر بھی ہے کہ مقتدر گروہ جمہوریت کی اجازت دے کر بھی شرکت اقتدار کا اصول پوری طرح تسلیم نہیں کررہا تھا۔ صورت حال یہ ہے کہ اخوان المسلمین میں فلسطینیوں کا تناسب اچھا خاصا ہے۔ اس کے ساتھ وہ نظریاتی طور پر بھی امت کے حوالے سے بات کرنے کے پابند ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ تنگ نظر قومیت اور قبائلیت کا رنگ پھیکا پڑتا جائے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے عوامل یقیناً ٹکراؤ کی کیفیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ خوف زدہ حکومت قانونی بندشوں اور طاقت کے استعمال کے ذریعے پیغام دیتی رہتی ہے کہ جمہوریت کی اجازت بہرکیف محدود ہے۔ دوسری طرف اخوان بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ لازمی نہیں کہ ہر وہ بات جو قانونی جواز رکھتی ہو اس کی اجازت بھی ہو۔

اس ٹکراؤ نے خود اسلام پرستوں میں دو بڑے گروہ بنا دیئے ہیں' جنہیں "ثقافتی اسلامیین" اور "سیاسی اسلامیین" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ مشرقی اردن سے تعلق رکھنے والا پہلا گروہ اتنا ہی کافی سمجھتا ہے کہ شراب کی بندش ہو جائے' مرزن کا اختلاط ختم ہوجائے اور سکول نصاب اسلامی کردیا جائے۔ یہ گروہ جو تدریجی اصلاح کا علم بردار ہے اور شاہ پسند کہلا سکتا ہے' اب تک اخوان پر اسی کا غلبہ ہے البتہ سیاسی اسلامسٹ گروہ بنیادی تبدیلیوں کا نقیب ہے۔ اسرائیل سے تعلقات میں اس کا اپنا زاویہ نظر ہے۔ وہ معاملے کو مغربی اور صیہونی استعمار کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ یہ گروہ جنسی تفریق پر چنداں زور نہیں دیتا لیکن سرکاری بدعنوانیوں اور تعذیب یا مثلاً آئی ایم ایف کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اردنی تجربے کے اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتی کہ سیاسی انقلابی اثرات کے ہوتے حکمرانوں سے ٹکراؤ نئی انتہاؤں پر پہنچ جائے اور خود جمہوری تجربہ ہی ناکام ہوجائے۔ لیکن اس کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ اسلامی تحریک شرق اوسط میں جمہوریت کی ترویج کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

جمہوری راستے پر بڑھنے سے خود تحریک ارتباط' نرم روی اور برداشت کی راہ اپنا سکتی ہے۔ تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ اسلام پسند اچھے جمہوریت پسند ہوسکتے ہیں اور ان کے متعلق غیر جمہوری ہونے کا خوف قطعاً" بے جا ہے۔